زندگی دھوپ
از اریبہ وسیم

السلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری، ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

زندگی دھوپ

از

اریبہ وسیم

www.novelsclubb.com

※ پچھلی قسط کا خلاصہ ※

ریحان جہانگیر امریکہ کے شہر شکاگو میں اپنی ڈیل ایک مشہور کمپنی کے ساتھ سائن کرنے جاتی ہے مگر وہاں کہانی ایک نیا رخ لیتی ہے۔اِسکا سامنا ایک ایسے مرد سے ہوتا ہے جسے وہ پچھلے ۱۰ سالوں سے جانتی ہے اور جس سے اب شاید نفرت کرتی ہے۔

اِس واقعے کے بعد ریحان جہانگیر کے گھر، اسلام آباد پاکستان میں ایک آدمی گھس آتا ہے اور اِسے گولی مارتا ہے جو اِسکی بازو کو چھو کر گزر جاتی ہے۔اِس چور کا دعویٰ ہے کہ وہ ریحان کو ضرورت سے زیادہ جانتا ہے۔

اب کہانی اس کمپنی کے مالک ''ضارع'' کی جانب مڑتی ہے جو ریحان کے خلاف ایک سازش تیار کرتا ہے۔یہ وہی مرد ہے جسے ریحان دس سالوں سے جانتی ہے۔

www.novelsclubb.com

وہ مرد ریحان کا ایک ایسا راز فاش کرتا ہے جسکا سرا ماضی سے جڑا ہے۔

ریحان جہانگیر گھر جاتی ہے اور غلطی سے ضارع مرتض کو کال کر دیتی ہے۔

ضارع گولی چلانے کی آواز سنتا ہے اور پتھر کا ہو جاتا ہے۔ریحان کے گھر جانے پر اِسے معلوم ہوتا ہے کہ گولی ریحان نے دیوار میں ماری تھی خود کو نہیں۔اسفندیار، ایک ایس پی

ہے جو کینیڈا میں اپنے بھائی کو ملنے جاتا ہے جب اِسے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں جس کیس پر وہ کام کر رہا تھا اِس میں سے ایک آدمی کا قتل ہو گیا ہے۔ ریحان اپنی خالہ کی بیٹی کی شادی میں شامل ہونے جاتی ہے جب پولیس اِسے گرفتار کر لیتی ہے۔

یورک برطانیہ میں ضارع کسی لڑکی کو کنڈیپ کر کے باندھ دیتا ہے۔ لڑکی کا نام ماہنور ہوتا ہے اور وہ ریحان کی وہ کزن ہے جو اسکی مدد ضارع کو دھوکہ دینے میں کرتی ہے۔

ریحان جیل سے رہا ہو جاتی ہے اور اسے زارا کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

زارا (ریحان کی سیکریٹری) اسفند کی بیوی ہے اور اسکے کہنے پہ ہی کمپنی جوائن کرتی ہے۔

اسفندیار کا بھائی شاہ زر کار ایکسیڈینٹ کے بعد کنڈیپ ہو جاتا ہے۔

اب آگے۔۔۔

www.novelsclubb.com

زندگی دھوپ

حصہ دوئم

باب: چہارم

قسط:4

انگارا

اپنی دھوپ میں بھی جل۔ہر سائے کے ساتھ نہ ڈھل

دنیا برف کا تودا ہے۔جتنا جل سکتا ہے جل

(باقی صدیقی)

مارگلہ کے دل میں کھڑے اس مکان کی دوسری منزل کے تیسرے نیم اندھیر کمرے میں وہ قد آور کھڑکی کے سامنے ایک بازو سینے پہ لپیٹے ہوئے اور دوسرے ہاتھ میں کافی کا مگ تھامے کھڑی تھی۔ بالوں کا ڈھیلا جوڑا بنا تھا اور سیاہ آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی دکھتی تھیں۔ باہر پورچ میں لگی مصنوعی لائٹس کی روشنی اسکے چہرے پر گر رہی تھی۔ چار گھنٹے پہلے وہ اسفندیار کمال سے جیل میں مل کر گھر آئی تھی۔وہ ایس۔پی تھا، جیل میں پہنچ کر گرفتار ہوئے ملزم سے پوچھ گچھ کرنا اسکا کام نہیں تھا، مگر اسنے ایسا کیا کیونکہ وہ

اسفندیار کمال تھا۔اسے امید تھی وہ اگلی دوپہر کے سورج غروب ہونے سے پہلے معطل ہو چکا ہو گا کیونکہ وہ ریحان جہانگیر تھی۔

اسکے چہرے پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔ پچھلے چار سالوں سے زندگی عجیب سی ہو گئی تھی۔ اپنے کام نمٹا کر وہ پاکستان چھوڑنے کا ارادہ رکھتی تھی مگر ایک رکاوٹ تھی جسکا نام ضارع مرتضٰی تھا۔

اسے اب ضارع پر غصہ آتا تھا۔وہ کیسا آدمی تھا، وہ اسے کتنی بار ٹھکرا چکی تھی مگر وہ پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتا تھا؟اسے کوفت ہونے لگی تھی ضارع مرتضٰی سے۔ وہ جلد اس سے خلع لینے کا ارادہ رکھتی تھی۔اسے معلوم تھا وہ اسے خود طلاق تو کبھی نہیں دے گا۔ انکے درمیان ہزاروں میل کے فاصلے تھے جنہیں دور کرنے کا نہ اسکا ارادہ تھا نہ کوئی شوق۔وہ اس کے بغیر ایک بہت اچھی اور پُر سکون زندگی گزار سکتا تھا۔آخر ایک پُر سکون اور اچھی زندگی گزارنے کا حق ضارع مرتضٰی کو بھی تھا۔وہ خود تنہا رہ سکتی تھی، وہ بچپن سے اب تک تاریکی اور تنہائی میں ہی رہی تھی۔ضروری نہیں تھا کہ ضارع مرتضٰی بھی اس کے ساتھ رہ کر تنہا رہ جائے۔اسے اندازہ تھا کہ وہ خلع کے کاغذات ملنے پر واویلا کرے گا اور پھر اس سے ملنے کی کوشش بھی کرے گا۔اس کے پاس اسکا بھی حل تھا۔

کافی کا مگ ہونٹوں سے لگا کر ایک گھونٹ لیتے ہوئے اس نے اپنا دوسرا ہاتھ نظروں کے سامنے پھیلایا، اسکی انگلیوں پر تتلی والی وہ انگوٹھیاں اب بھی موجود تھیں۔ انہیں وہ اب تک پھینک نہیں سکی تھی۔ یہ انگوٹھیاں ضارع نے اسے خلوص سے دی تھیں۔ ضارع پر خلوص تھا مگر وہ خود نہیں تھی۔ اسکے ہونٹوں پر ایک سوگوار مسکراہٹ پھیل گئی۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس سے کبھی نہ ملتی؟ کیا وقت کا پہیہ پیچھے نہیں گھوم سکتا تھا؟ وہ اس سے پہلی ملاقات میں ہی منہ موڑ لیتی، پھر شاید آج وہ اتنی مشکل میں نہ ہوتی! وقت وہ واحد شے تھی جو اسکے اختیار میں نہیں تھی اور وہ اس بات سے کوفت میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ اسے ہر چیز اپنے اختیار میں رکھ کر سکون رہتا تھا۔

کافی کا مگ ہاتھ میں تھامے وہ مڑ کر نائٹ سٹینڈ کی جانب بڑھی۔ اسکا فون نائیٹ سٹینڈ پر پڑا چارج ہو رہا تھا۔ چارجنگ کیبل فون میں سے الگ کر کے وہ واپس قدآور کھڑکی کی جانب بڑھ گئی۔ اسنے کھڑکی کا ایک پٹ دھیرے سے کھول دیا۔ مارگلہ کی ٹھنڈی یخ ہوائیں اسکے چہرے اور گردن کو چھوتیں ہوئی اسکے پیچھے کمرے میں پھیلتی گئیں۔

"تم نے ان سر کٹی لاشوں کی خبریں دیکھیں؟"۔ نفایل کا میسج فون سکرین پر سب سے اوپر چمک رہا تھا۔

خوف کی ایک لہر ریحان کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ اسنے بے اختیار جھرجھری لی۔

''ہاں، میں نے ہیڈ لائنز دیکھی تھیں''۔ لکھ کر اسنے سینڈ کیا۔ نفایل فوراً آن لائن ہوئی تھی۔

''کیا پولیس کو ان کے قاتل کا کوئی سراغ ملا؟''۔ مارگلہ کی اونچی پہاڑیوں میں سے دو سر کٹی لاشیں برآمد ہوئی تھیں، یہ خبر نیوز چینلز میں جنگل میں لگی آگ کی طرح پھیل رہی تھی۔

''معلوم نہیں۔ مل بھی جائے تو کیا فرق پڑ جائے گا''۔ دوسری جانب چند پل خاموشی چھائی رہی۔ ریحان کو صرف ایک چیز سے خوف آتا تھا۔ مشہور نیوز چینلز کی ہیڈ لائنز میں بریکنگ نیوز بننے سے۔

''تمہیں مارگلہ سے شفٹ ہو جانا چاہیئے!''۔

''دیکھوں گی! تم واپس کب جا رہی ہو؟''۔ چند پل نفایل کی جانب سے ''ٹائپنگ'' کا آپشن نظر آتا رہا۔ وہ یقیناً لمبا ''خط'' لکھ رہی تھی۔ ریحان بیزار ہوئی۔

www.novelsclubb.com

''معلوم نہیں، ابھی شاید چند ماہ اور رکوں گی۔ بٹ آلسو، اگر تم کہو تو میں تمہارے ساتھ بھی رہنے آسکتی ہوں!''۔ ریحان نے نرمی سے مگ کے گرد انگوٹھا پھیرا اور پھر آنکھیں اُٹھا کر کھڑکی کے پار نظر آتے چاند کو دیکھا۔ گہرا سانس خارج کر کے اسنے نظریں دوبارہ فون پر جھکا لیں۔

''میں تنہا رہنا چاہتی ہوں، مائنڈ مت کرنا''۔

''ناٹ ایٹ آل! صبح لنچ پر ملیں؟''۔ ریحان دھیما سا مسکرائی۔

''ٹھیک ہے۔ وقت اور جگہ ٹیکسٹ کر دینا!''۔

''اوکے خدا حافظ''۔ اسنے میسج پڑھ کر فون بند کر کے ونڈو سل پر رکھ دیا۔ کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے مگ بھی فون کے ساتھ رکھ دیا۔

اسکی نظریں ایک بار پھر کھڑکی سے پار نظر آتے چاند پر ٹھہر گئیں۔ آسمان کی تاریکی اور چاند کی ننھی ٹکیا شام کی نیلاہٹ میں تبدیل ہو گئیں۔ وہ اسی کمرے کی بالکونی میں کھڑی کہنیاں ریلینگ پہ ٹکائے آگے کو جھک کر نیچے لان میں جھانک رہی تھی۔ دکھنے میں وہ نو دس سال کی معصوم بچی لگتی تھی۔ اسکے گھنگریالے بال کندھوں تک آتے تھے۔ ہلکے نارنجی رنگ کے سن ڈریس میں ملبوس وہ قد میں چار فٹ جتنی دکھتی تھی۔

گھر کے پورٹیکو کے سامنے قطار میں دس، بارہ گاڑیاں کھڑیں تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے گھر کے اندر کسی بڑی دعوت کا دور چل رہا ہو۔ بہار کے موسم کے آخری دن تھے اور گرمی نے دھیرے دھیرے سے زور پکڑنا شروع کر دیا تھا۔ واپس کمرے میں آ کو تو ریحان اب بھی ریلینگ سے جھک کر نیچے لان میں ہی دیکھ رہی تھی۔ اسکی نظریں پورے لان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اپنے قدموں پر سیدھا کھڑے ہو کر وہ ریلینگ سے پیچھے ہٹ گئی۔

بالکنی کا دروازہ کھول کر وہ کمرے سے نکلی اور پھر کمرے کا دروازہ پار کر کے نیچے اُترتے زینوں کی جانب بڑھ گئی۔

زینوں کے ایک جانب لونگ روم تھا اور دس قدم آگے بڑھ کر دوسری جانب پول سائڈ۔ وہ پول کی طرف نکل آئی، یہاں سے گھر کا اندرونی حصہ چھپ جاتا تھا۔ خاموشی سے پول کے کنارے پر بیٹھ کر اس نے پیر پانی میں لٹکا لیے۔ اپنے پیچھے قدموں کی چاپ محسوس کرنے پر اس نے دھیرے سے گردن پیچھے موڑ کر آنے والے وجود پر ایک نظر ڈالی اور پھر ناگواری سے سر جھٹک کر گردن واپس موڑ لی۔

''اوہ گاڈ! ناٹ اگین''۔ دھیمے سے کہہ کر اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''تم یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟''۔ تیرہ سالہ ضارع مرتض کے اس سوال پر اس کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو گیا تھا۔ اب اسے کیا بتاتی کہ اسی کے سوالوں سے بچنے کے لیے ہی وہ یہاں خاموشی سے آ بیٹھی تھی مگر مجال ہے وہ اسکا پیچھا چھوڑ دیتا۔ اسے پاپا کے دوست کا یہ بیٹا نہایت زہر لگا تھا۔ دو سال پہلے بھی جب وہ لندن سے پاکستان آیا تھا تو اس سے دوستی کرنے کے بہانے تلاش کرتا رہتا تھا، یہ الگ بات تھی کہ اسکے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا ریحان!''۔ نیلی ٹی شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس اس لڑکے نے ایک دوستانہ سی مسکراہٹ ریحان کی جانب اچھال کر اسکی طرف نظریں اُٹھائی تھیں جو تنے ہوئے چہرے کے ساتھ سر جھکائے پانی کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

''میری مرضی یہ میرا گھر ہے، آپکو کیا؟''۔ یکدم ہی چہرہ اسکی جانب موڑ کر اس نے درشتگی سے کہا تھا۔ ضارع کے چہرے پر پھیلی مدھم مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہوئی تھی۔

''آئیم سوری، اگر تمہیں میری بات بری لگی ہو تو''۔ جبراً مسکرا کر کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔

''آپ لوگ گھر کب جائیں گے؟''۔ سپاٹ سے لہجے میں وہ سادگی سے پوچھ رہی تھی، گھر کے اندر واپس جاتے ہوئے ضارع کے قدم تھم گئے تھے۔ ریحان کی جانب گھوم کر اسکے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ سوچتا رہا پھر جواب میں کہا تو صرف اتنا۔

''ہم آئندہ یہاں نہیں آئیں گے''۔ کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ ریحان نے گڑبڑا کر اسکی پشت کی جانب دیکھا اور پھر وہ اُٹھ کر اسکی جانب بھاگی تھی۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ یہاں مت آئیں''۔وہ کہنا یہی چاہتی تھی مگر پھر پاپا اس سے ناراض ہو جاتے۔وہ زینوں کے قریب کھڑا تھا اور ریحان اس سے فاصلے پر پول سے چند قدم دور رکی تھی۔

''آپ پاپا سے کچھ مت کہیئے گا اور آپ یہاں ہر روز بھی آ سکتے ہیں، میں تو صرف ویسے ہی پوچھ رہی تھی''۔منمناتے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے وہ دائیں بائیں دیکھتی رہی۔ضارع حیران سا اسکا چہرہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

''میں نے کب کہا کہ میں انکل سے تمہاری شکایت کروں گا یا انہیں یہ بتاؤں گا کہ تمہیں ہمارا یہاں آنا پسند نہیں ہے؟''۔وہ واقعی حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا!''۔وہ اب اسکی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہی تھی۔اس نے واقعی ایسا تو کچھ نہیں کہا تھا، شاید اس لڑکے کو واہموں کی بیماری تھی۔وہ سوچ کر رہ گئی۔

''اوکے، یعنی میں یہاں روز آ سکتا ہوں؟''۔

www.novelsclubb.com

''جی''اسکا دل چاہا تھا کہ کہہ دیتی اسے کہ دوبارہ میرے گھر میں قدم مت رکھنا۔

''اور تم سے باتیں بھی کر سکتا ہوں؟''۔وہ مسکرا کر اس سے پوچھ رہا تھا۔ریحان کا دل چاہا تھا اسے پول میں دھکا دے دیتی ٹھیک اسی طرح جیسے اس نے اپنی پرانی دوست کو اسکی بات پسند نہ آنے پر دیا تھا۔

''یعنی تم ایسا نہیں چاہتی''۔اسکی خاموشی پر وہ خود ہی بول اٹھا تھا۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا''۔ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مروڑتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''میں تمہارے لیے ایک گفٹ لایا تھا،دکھاؤں؟''۔اسکے بات بدل جانے پر ریحان نے شکر کا سانس بھرا تھا۔پھر سر اثبات میں ہلا کر اسکی جانب دیکھا جو بھاگتا ہوا گھر کے اندر غائب ہو گیا تھا،اسنے سر جھٹک دیا۔

ونڈو سل پر رکھے فون کے بجنے پر اسکی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا،فون اُٹھا کر وہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹ کر کمرے میں سے باہر نکل آئی۔وہ ماربل کی ٹھنڈی سیڑھیوں پر سے ننگے پیر نیچے اترتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔کافی کا ٹھنڈا مگ سنک میں رکھ کر وہ کچن آئلینڈ کے گرد رکھے سٹول پر بیٹھی۔آئلینڈ کے بالکل اوپر چھوٹے سے فانوس کی پیلی روشنی سے پورا کچن نیم روشن تھا۔

www.novelsclubb.com

''ہاں ثمر،کہو؟''ایک ہاتھ سے فون تھامے وہ دوسرے ہاتھ میں پہنی ہوئی تتلی والی انگوٹھی سے کچن آئلینڈ کے ماربل کو دھیرے دھیرے سے بجا رہی تھی۔ماربل اور انگوٹھی کے آپس میں ٹکرانے کی آواز خاموش کچن میں دھیمے دھیمے سے گونج رہی تھی۔

ٹک-ٹک-ٹک۔

''اسے خروچ بھی آئی تو یاد رکھنا تمہارا اگلا ٹھکانا جہنم ہو گا''۔دوسری جانب سے جواب آنے پر اس نے ناگواری سے کہا تھا اور پھر کال کاٹ دی۔

(※═══════════※)

(یورک، برطانیہ)

بریو اینڈ برائونی(Brew&Brownie) کے نام کے کیفے میں وہ گول میز کے گرد آمنے سامنے بیٹھے تھے۔سیاہ، نارتھ فیس کی چھوٹے لوگو والی ہوڈ اور سیاہ ٹراوزر میں ملبوس سفید جوتے پہنے وہ رف سے حلیہ میں اسکے سامنے موجود تھا۔بال البتہ سلیقے سے سیٹ تھے اور مٹھی میں وہی چاکلیٹ بادام بھرے تھے جنہیں وہ بڑے شوق سے کھا رہا تھا۔

''تم یہاں بادام کھاتے رہو گے یا یہ بھی بتاو گے کہ تمہارا پلان کیا ہے؟''وہ ضارع کے سامنے ہاتھ میں ڈبل ایسپریسو کا کپ تھامے، گرے آدھی بازوں والی ڈھیلی شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر میں ملبوس بیزار سی بیٹھی تھی۔لمبے بالوں کی اونچی پونی اسکے گردن ہلانے پر دائیں بائیں جھول رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

''تم شاباش کافی پیو، مجھے ابھی کچھ سوچنے دو''۔زرا پیچھے کو کھسک کر اسنے کمر کرسی کی پشت کے ساتھ لگائی اور بازو لمبی کر کے سامنے رکھے فلیٹ وائٹ کافی کے مگ کو اُٹھا کر ہونٹوں سے لگایا۔

''تم یہ سوچ بچار اپنے گھر میں بھی کر سکتے تھے۔میرا وقت برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''۔اس نے سلگ کر تیکھی نظروں سے ضارع کو دیکھا جو یوں بیٹھا تھا جیسے اسکے پاس کرنے کو کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔

''تمہارا وقت؟ تم بنا بچوں والی ہاؤس وائف کا بھی وقت برباد ہوتا ہے؟''۔اسنے زرا سا مسکرا کر کہا تھا۔ماہنور اسکی بات پر دھیرے سے مسکرائی اور پھر ہاتھ میں تھاما مگ سامنے میز پر رکھا۔

''جب بنا بیوی والوں کا نہیں ہوتا تو ہم بنا بچوں والیوں کا ہی سہی''۔اسنے بڑی گہری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ضارع مسکرا کر رہ گیا۔

www.novelsclubb.com

''بہت خوب''۔ایک اور بادام منہ میں ڈال کر وہ سیدھا ہوا۔کافی کا مگ ہنوز ہاتھ میں تھا۔

''اگر تمہیں یہ لگ رہا ہے کہ میں یہاں بیٹھ کر انتقام لینے کے لیے کوئی ایول سا پلان تیار کروں گا تو بہت غلط سوچ رہی ہو''۔ماہنور نے سر گھما کر اپنی دائیں بائیں جانب دیکھا اور پھر ضارع کی دائیں بائیں جانب۔ضارع نے تعجب سے ابرو اکٹھے کیے۔

''وہ میں دیکھ رہی تھی کہ کہیں میرے فرشتوں نے ایسا کہہ دیا ہو گا کیونکہ میں تو پچھلے بیس منٹ سے تمہارے سامنے، تمہاری سکیم سننے کو بیتاب بیٹھی ہوں''۔بیتاب پر اسنے خاسا زور دیا تھا۔

''اور ویسے بائی داوے، ایول پلان تو وہ تھا جو تم نے اسے اپنی کمپنی میں دعوت دینے کے بعد دکھایا تھا!''۔ضارع نے بے اختیار پہلو بدلا تھا۔

''کافی کا سارا مزہ ہی بدمزہ کر دیا تم نے''۔ماہنور اسے دیکھتی رہ گئی۔

''میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے میرے ساتھ وہ سب کیوں کیا! مجھے دھوکہ کیوں دیا؟ وہ مجھے اعتماد میں لے سکتی تھی مگر نہیں، ضارع مرتض کو بے عزت کرنے کی اجازت وہ اپنی پیدائش پر ساتھ لائی تھی''۔وہ اب سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے نکاح کے بعد اس دعوت والے دن تک یہ احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ اسکی شادی زبردستی مجھ سے ہو گئی ہے۔اس نے مجھے انکار نہیں کیا، اگر وہ مجھ سے کہہ دیتی کہ اسے مجھ سے شادی نہیں کرنی تو پھر میں دیکھتا کہ کون تھا جو اسکی شادی مجھ سے یا کسی اور سے زبردستی کرواتا''! اسنے کمر دوبارہ کرسی سے لگالی تھی مگر اب وہ بادام نہیں کھا رہا تھا۔

''تم اسے بچپن سے جانتے ہو، تمہیں کچھ اندازہ تو ہو گا ہی کہ اسنے اس دعوت والے دن مجھ سے وہ سب کیوں کروایا''۔ایسپریسو کا گھونٹ لیتے ہوئے وہ بات کر رہی تھی۔

''میں شاید کبھی ریحان جہانگیر کو جان ہی نہیں پایا، خاص کر کے اب، اتنے سالوں بعد جب وہ اس قدر بدل گئی ہے''۔اسنے بازو اپنے سینے کے گرد باندھ لیے۔

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''میں چاہتا ہوں تم اُس سے ایک بار ملو!''

''یہ بادام یہاں دینا مجھے!''ضارع نے زرا سا آگے جھک کر اسے بادام پکڑائے۔بادام ہاتھ میں تھام کر اسنے انہیں نظروں کے سامنے کر کے غور سے دیکھا اور پھر سامنے بیٹھے ضارع سے مخاطب ہوئی۔''وہ مجھے لگا شاید بادام کھا کر تم ہائی ہو گئے اسی لیے اس قسم کی واہیات بات کہی تم نے''۔

''اس میں واہیات پن کہاں سے آگیا؟''ضارع کو اب کوفت ہوئی تھی۔

''تم چاہتے ہو، میں یعنی ماہنور اُس سے بات کروں، میں جس سے اسنے اپنے پلان امپلیمینٹ کروایا تھا۔وہ ماہنور جسکے کندھے پر بندوق رکھ کر تم نے اُسے بھری میٹینگ میں اپنی خباثت کا نشانہ بنایا، وہ اُس سے بات کرے؟ بہت خوب''۔ضارع چند پل کو ٹھہر سا گیا۔پھر کہا تو صرف اتنا۔

''تمہاری امیج تو واقعی بہت خراب ہے۔تم رہنے دو، کیا معلوم تمہارے بات کرنے پر ہی وہ تمہیں اگلی دنیا کے سفر کو بھیج دے....''

''تم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہو۔اور ویسے برا مت منانا لیکن اگر اسے تم تھوڑا اعتماد دیتے تو وہ شاید وہ کچھ کرتی ہی نہ جو وہ کر چکی ہے اور جو کرے گی اور ویسے بھی مجھے نہیں لگتا کہ اسنے یہ سارا ڈرامہ صرف اس لیے کیا کہ اسے تم سے شادی نہیں کرنی تھی'' کافی کا مگ ہاتھ میں تھامے وہ اب زرا سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''معلوم ہے مجھے،اسکا بچپن بہت عجیب سا تھا۔ تمہیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ اس نے چھ سال کی عمر میں ایک قتل کیا تھا؟'' ماہنور کے چہرے کے تاثرات یکدم بدلے تھے۔اسے یقین نہیں آیا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے؟ مانا کے اسنے تمہیں دھوکہ دیا ہے لیکن اسکا یہ ہر گز مطلب نہیں کہ میں اب اسکے بارے میں ہر جھوٹی کہانی پر یقین کر لوں''۔ضارع کو اس سے اسی رد عمل کی امید تھی۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں! اس نے سکون سے کہا۔

www.novelsclubb.com

''تمہیں میری شکل پر کہیں بڑا سا بیوقوف لکھا ہوا نظر آرہا ہے؟ ضارع نے اسکی بات کو نظر انداز کیا۔

''وہ جس بورڈنگ سکول میں جاتی تھی، کیا نام تھا اسکا؟ ہاں پارکس بورڈنگ۔وہاں پر کسی گارڈ نے جہانگیر انکل کی بیوی کو مولیسٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔اس نے اسی گارڈ کی

گن سے چار گولیاں گارڈ کے سینے میں اتار دی تھیں"۔وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے کسی اخبار کی ہیڈ لائن پڑھ رہا ہو۔ماہنور کا مارے حیرت کے جبڑا کھل گیا،اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"یہ سب تمہیں کیسے پتا،اور تمہارا مطلب ہے ریحان کی مام؟

"تمہاری شکل پر اب بیوقوف لکھا ہوا صاف دکھائی دے رہا ہے!۔

"وہ جیل کیسے نہیں گئی؟" یہ انتہائی بچکانہ سوال تھا مگر اسے سمجھ نہیں آئی اور کیا پوچھے۔

"اسکے ڈیڈ کا نام جہانگیر ہے اور ویسے بھی بہت اچھا کیا تھا اسنے اور اسے اب اپنے پاس ہینڈ گن رکھنے کی حکومتی طور پر اجازت نہیں ہے"۔وہ بڑی دلچسپی سے سامنے بیٹھی ماہنور کے چہرے کے اتار چڑھاو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا!

"تو مت کرو!" اسنے کندھے اچکا دیئے۔

"میں پاکستان واپس اگلے ماہ جاوں گی،تم سے تب ملاقات ہو گی!" یکدم ہی وہ اپنا بیگ، فون اور گاڑی کی چابیاں اُٹھا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ضارع ہنوز بیٹھا رہا۔

"اگر تمہیں میری مدد کی ضرورت ہوئی تو مجھے کال کر لینا،اور ہاں میں صرف اتنی ہی مدد کروں گی جتنی میں مجھے ریحان شوٹ کیے بغیر بخش دے" ضارع یکدم ہنس پڑا۔

''اگلی گولی یا تو تم کھاو گی یا میں''۔ماہنور کو ہسی آگئی۔اپنی چیزیں اُٹھا کر کرسی کی پشت پر ٹنگی ہوئی اپنی جیکٹ اتار کر وہ اسے خدا حافظ کہتی ہوئی کیفے میں سے باہر نکل آئی۔باہر کا ماحول اندر کے ماحول سے قدرے مختلف تھا، ہلکی ٹھنڈی ہوا اسکی گردن کو چھو کر آگے گزر رہی تھی۔اچانک کچھ یاد آنے پر وہ کیفے کے دروازے کی جانب واپس گھومی۔اسے جو بتانے آئی تھی، وہ تو بتانا یاد ہی نہیں رہا تھا۔گلاس ڈور کے سلور ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسنے دروازہ کھولنا چاہا اور اسی پل ہوا کا رخ بدلا۔

سب کچھ ساکت ہوا۔

ہر ایک منظر اچانک تھما اور سلو موشن میں حرکت کرنے لگا۔

اپنی لمبی گردن میں اسے گرم لوہے کی سلاخ جیسا کچھ کھبتا ہوا محسوس ہوا۔

پھر وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گری اور اوندھے منہ سڑک پہ،اسکی آنکھوں میں سے پانی بہتا ہوا سخت پتھروں والی سڑک میں جذب ہونے لگا۔یہاں تک کہ اسنے منہ کھول کر گہرا سانس لینے کی سعی کی مگر سانس کی نالی اب ہوا کے بجائے گرم خون اسکے پھیپھڑوں کے اندر لے جانے لگی تھی۔اسکی شہ رگ سے خون تیزی سے بہتا ہوا دھول سے اٹی سڑک میں جذب ہوتا جا رہا تھا۔گولی کہیں دور سے آئی تھی اور اسکی گردن کے اندر سے گزرتی

ہوئی کیفے کے گلاس ڈور سے جا ٹکرائی۔چند پل۔چند پل لگے تھے اس کو خاک ہونے میں۔چند پل لگے تھے اسے زندگی سے موت کی جانب جاتے ہوئے۔صرف چند پل۔

(※═══════════※)

دپہر کے تقریباً دو بج رہے تھے۔اپنے آفس ٹیبل کے پیچھے وہ پاور چیئر پہ سفید سادہ شلوار قمیض میں ملبوس سر جھکائے بیٹھی تھی۔گھنگریالے بالوں کا جوڑا اس طرح بنا تھا کہ چہرے پر بالوں کی ایک بھی لٹ نہیں تھی۔ایمرلڈ رنگ کا دوپٹہ اسکے گلے میں مفلر کی طرح لپٹا ہوا تھا۔

آفس میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔اس نے کوفت سے ایک پل کو سر اُٹھا کر آفس کی کھڑکی سے باہر آسمان کی جانب جھانکا۔وہاں تیز دھوپ چمک رہی تھی،سر جھٹک کر اسنے واپس جھکا لیا۔سامنے ٹیبل پہ رکھی فائل کے صفحے پلٹتے ہوئے اس کے ہاتھ دروازے پر ہوتی دستک سے رکے۔

"کمن ان" کہنے سے پہلے ہی کوئی جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔اس نے بے اختیار سہم کر دروازے کی جانب دیکھا،سامنے حواس باختہ سی نفایل کھڑی تھی۔

''یااللہ نفایل، کس ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو؟ فائل بند کر کے وہ سیدھی ہوئی۔

اسے نظرانداز کرتے ہوئے نفایل نے آگے بڑھ کر آفس میں لگی LCD کا ریموٹ اُٹھا کر اسے آن کیا اور پھر چینل بدلنے لگی۔ ریحان الجھن سے کبھی اسے اور کبھی ٹی وی کو دیکھ رہی تھی۔

''کچھ بتاو گی بھی یا نہیں؟ کیا ہو..'' سامنے ٹی وی پر چلتی خبر دیکھ کر آدھے لفظ اسکی زبان پر ہی دم توڑ گئے۔

''آرومیٹک ڈیزائن، پاکستان کی جانی مانی پرفیوم کمپنی کے سی ای او، ضارع مرتض کو پاکستان کے ایک اور ابھرتے ہوئے مشہور بزنس مین، شاہ ویز آفندی کی بیوی ماہنور آفندی کے قتل کیس میں تفشیش کے لیے برطانیہ میں پولیس کی حراست میں لے لیا گیا ہے''۔

ریحان کا ہاتھ بے اختیار اپنے ہونٹوں پر گیا، پھر اس نے ٹی وی سے نظریں پھیر کر نفایل کی جانب دیکھا، وہ بھی کچھ شاک کے تاثرات چہرے پر سمائے ٹی وی کی سکرین تک رہی تھی۔

''اب؟'' لفظ نفایل کی زبان سے ایک سرگوشی کی صورت ادا ہوئے۔ ریحان بے یقینی سے اسکا چہرہ تکتی رہی۔ اگلے ہی پل اسنے اپنا انٹر کام اُٹھایا اور ایک نمبر پر کال ملائی۔ کال نہیں اُٹھائی گئی تو اسنے دوسرے نمبر پر کال کی۔ کال اُٹھالی گئی۔

''میری لندن کی فلائٹ بک کرواؤ فوراً!انٹر کام واپس رکھ کر بالکل خاموشی سے وہ اپنی کرسی سے اُٹھی اور زمین پر رکھا ہوا اپنا بیگ اُٹھایا۔

''تم وہاں کیوں جارہی ہو؟نفایل کی اب توجہ ٹی وی پر سے ہٹ کر پوری طرح سے اس پر تھی۔

''کیونکہ وہ اس پورے میس میں میری ہی وجہ سے پھنسا ہے''۔افسردگی سے کہا گیا۔

''وہ ماہنور سے ملنے گیا تھا؟''ایک اور سوال۔

''مجھے نہیں معلوم نفایل''۔چھوٹا جواب۔

''وہ کیوں ملنے گیا؟''اب کی بار ریحان نے گہرا سانس لیا۔

''کیا تم نہیں جانتی؟''نفایل خاموش رہی۔

''تم کیا اسے حقیقت بتاو گی؟''ریحان نے جواب نہیں دیا۔نفایل کی پشت پر ٹی وی اب بھی چل رہا تھا مگر خبر کوئی اور۔

www.novelsclubb.com

اسے خوف آتا تھا مشہور نیوز چینلز کی ہیڈ لائنز میں بریکینگ نیوز بننے سے۔

ایک گہرا سانس لے کر وہ اپنا ہینڈ بیگ تھام کر آفس میں سے باہر نکل آئی۔لمبی راہداری سے ہوتے ہوئے وہ لفٹ کی طرف بڑھی اور پھر اندر داخل ہو کر پہلے فلور پر اتری۔لفٹ میں سے باہر نکل کر وہ شیشے کے مین دروازوں کی جانب بڑھ گئی۔پوری بلڈنگ میں آج

غیر معمولی خاموشی تھی اور شیشے کے دروازوں تک جاتی ہوئی لڑکی کو اس غیر معمولی خاموشی کی وجہ بھی معلوم تھی۔

بلڈنگ سے باہر نکل کر، پارکنگ تک جانے سے پہلے اس نے سر گھما کر ایک نظر اپنے آفس کی کھڑکی کی جانب دیکھا۔ نفایل وہاں کھڑی اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیا اور سر واپس موڑ لیا۔ واپس مڑ کر وہ اپنی گاڑی کی طرف آئی اور پھر گاڑی سٹارٹ کر کے گاڑی باہر لے آئی۔

پارکنگ سے نکل کر مین روڈ تک جاتی ہوئی گاڑی پر نفایل کی نظریں جمی رہیں، وہ ریحان کی بچپن کی دوست تھی، جانتی تھی اگر وہ اسے روکنے کی کوشش کرتی بھی تو ریحان نہ رکتی۔ کھڑکی سے ہٹ کر وہ آفس سے باہر نکل آئی۔

(※═══════════※)

www.novelsclubb.com

اسلام آباد ائیر پورٹ سے لے کر لندن تک کی پوری فلائٹ میں وہ خاموش تھی۔ وہ جب اس سے خلع لینے کے بارے میں سوچتی تھی تب ہی کوئی نیا مسئلہ انکے درمیان آجاتا تھا۔ جہاز کی کھڑکی سے باہر، دور زمین پر بہتے گہرے نیلے سمندر کو دیکھتے ہوئے، نو گھنٹوں

کی اس فلائٹ میں وہ بچپن سے لے کر اب تک کی زندگی کو اپنی نظروں کے سامنے کسی فلم کی طرح دیکھ رہی تھی۔اس نے کوفت سے سر جھٹک دیا۔

لندن پہنچ کر اسکی کنیکٹنگ فلائٹ یورک کی تھی۔یورک پہنچنے تک لوکل ٹائم کے حساب سے شام کے ساتھ بج رہے تھے۔ہوٹل میں چیک ان کرنے کے بعد وہ ہوٹل سے باہر نکل آئی۔ہوٹل کے داخلی دروازے کے سامنے ہی وہی ڈرائیور کھڑا تھا جو اسے ائیر پورٹ سے ہوٹل تک لایا تھا۔

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا۔پولیس اسٹیشن ہوٹل سے پندرہ منٹ دور تھا۔اس نے سر کھڑکی کے ساتھ ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد گاڑی پولیس اسٹیشن کے بالکل سامنے رکی تھی۔گہرا سانس خارج کر کے وہ گاڑی میں سے باہر نکل آئی۔شام کے وقت موسم سرد سا ہو رہا تھا،ناک سے سانس خارج کرنے پر سانس بھاپ کی صورت باہر نکلتا تھا۔

سرخ پتھر سے بنی عمارت کو ایک نظر سر اُٹھا کر دیکھ کر اس کے زینے عبور کرتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ بھورے لانگ کوٹ کی گرم جیبوں میں ڈال لیے۔بال اب کھل کر کندھوں کے گرد بکھرے ہوئے تھے۔عمارت کے اندر داخل ہو کر وہ فرنٹ ڈیسک سے

کسٹڈی آفیسر کے آفس کی طرف بڑھ گی۔اس سے اجازت لے کر اب وہ ایک اور پولیس آفسر کے ہمراہ چلتی ہوئی ضارع کے سیل کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے سیل کی طرف اشارہ کر کے پولیس آفسر واپس مڑ گیا۔وہ اس کے سیل سے چند قدم دور کچھ پل کے لیے رکی۔لوہے کی سلاخوں والے کمرے کے دوسرے پار وہ بوسیدہ دیوار کے ساتھ لگے بیڈ کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھا تھا۔سر پیچھے کو دیوار کے ساتھ لگا تھا اور پیروں کی کینچی بنائے وہ ایک پاؤں مسلسل ہلا رہا تھا۔دونوں ہاتھ باہم پھنسائے اسکی گود میں رکھے تھے۔وہ گلے میں سے بھورا مفلر سیدھا کرتی ہوئی دھیمے قدم اُٹھاتی ہوئی اسکی جانب بڑھ گئی۔

وہ چلتی ہوئی اب اسکے قریب آ رکی۔ضارع کا مسلسل ہلتا ہوا پاؤں یکدم تھما۔گردن زرا سی ترچھی ہوئی یوں کہ سر اب بھی دیوار کے ساتھ لگا تھا مگر چہرے کا رخ اسکی جانب تھا۔کمرے میں لگے پیلے بلب کی روشنی ضارع کے چہرے کو پوری طرح سے واضح نہیں کر رہی تھی۔

اسنے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔وہ اسکے چہرے کی جانب ہی دیکھ رہی تھی جہاں اسے ڈھیروں حیرت پھیلتی ہوئی دکھائی دی۔وہ بے اختیار کرسی سے اُٹھا تھا یوں کہ اسکے بالکل

مقابل کھڑا ہو۔اسکی پرفیوم کی خوشبو جو کسی زمانے میں اسنے ریحان کو گفٹ کی تھی،وہ اسکے قریب آنے پر ضارع کے گرد ہوا میں پھیل گئی۔

''تم؟''حیریت کے بجائے اب چہرے پر سنجیدگی نے جگہ لے لی۔

''میں...''۔اسے سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔

''تم یہاں کیوں؟''اسکے لہجے میں طنز تھا۔

''معلوم نہیں''۔ریحان کا لہجہ سادہ سا تھا۔

''تماشہ دیکھنے آئی ہو؟پیدائشی شوق ہے تمہارا''۔ریحان کو اسی کی امید تھی۔

''نہیں۔مدد کے لیے''۔ریحان کو اپنی بات خود بھی بچکانہ لگی۔وہ ضارع مرتض تھا خود آپ اپنی کر سکتا تھا۔

''اوہ پلیز۔جب جب تم نے میری ''مدد''کرنے کی کوشش کی ہے میں ذلیل ہی ہوا ہوں''۔اسنے ہنکار بھرتے ہوئے کہہ کر چہرہ پھیر لیا یوں کہ اب اسکی پشت ریحان کی جانب تھی۔ریحان گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''تمہارا احسان چکانے آئی ہوں''۔ضارع نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ بازو سینے پر باندھ کر واپس اسکی جانب مڑا۔چہرہ اب سپاٹ تھا۔ریحان کی سیاہ آنکھیں اب براہ راست اسکی بھوری آنکھوں میں جھانک رہی تھیں۔

''پوچھو گے نہیں کس بات کا؟'' ضارع طنزاً ہسا۔

''حالانکہ مجھے پوچھنا چاہیے ''کس کس'' بات کا احسان؟''۔

''اس دن گھر آ کر اس بات کی یقین دہانی کرنے کے لیے کہ میں سچ میں مر تو نہیں گئی''۔ اسنے بڑی سادگی سے کہا تھا۔

''اگر نہ آتا تو اُس کیس میں بھی پاکستان جیل میں ہی بیٹھا ہوتا''۔ سر جھٹک کر یوں کہا جیسے وہ وہاں واقعی اسی لیے گیا ہو۔

''مجھے امید تھی تم آو گے''۔

''میں سمجھا نہیں؟''

''مجھے امید تھی اُس دن کہ تم آو گے''۔

''کوئی الو کا پٹھہ ہی ہوتا جو اپنی بیوی کی ایسی کال کو نظر انداز کرتا جس میں وہ مرنے کی دھمکی دے رہی ہو''۔ ریحان کے ہونٹ کے کنارے بے اختیار زرا سی مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

''تم ٹھیک ہو؟'' ضارع کے چہرے پر اس کے سوال پر طنز کے تاثرات نمودار ہوئے۔

''ریحان بی بی، جب سے تم سے الگ ہوا ہوں تب سے بہت زیادہ ہی ''ٹھیک'' ہوں''۔ اسکا انداز ایسا تھا جیسے وہ کہنا چاہ رہا ہو کہ ''ریحان بی بی آپکا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا''۔

ریحان اسکا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔ وہ رف سے لباس میں، جیل کے اندر بیٹھ کر بھی طنز کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"میں جانتی ہوں کہ میں یہ حق نہیں رکھتی، مگر پھر بھی خود کو پوچھنے سے روک نہیں پا رہی کہ تم ماہنور سے کیوں ملنے آئے تھے"۔ اسکی بات بالکل نظر انداز کر کے ریحان اب پوچھ رہی تھی۔

ضارع نے دیوار کے ساتھ کندھا ٹکایا اور ٹانگوں کی کینچی بنائی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی لمبی گفتگو کے لیے تیار کھڑا ہو۔

"کیوں تم کیا جیلیس ہو رہی ہو؟"۔

"میں جیلیس کیوں ہوں گی؟ وہ شادی شدہ ہے.... تھی"۔

"ایک بات پوچھوں؟"۔ ضارع نے نہایت رازدانہ انداز میں پوچھا تھا۔

"ہوں، پوچھو"۔

www.novelsclubb.com

"تم جانتی ہو نا اسکا قتل کس نے کروایا ہے"۔ ریحان ہر قسم کے سوال کی امید کر رہی تھی سوائے اس کے، اس نے گہرا سانس لیا۔

"نہیں، اگر جانتی ہوتی تو یہاں نہیں ہوتی!"۔ ضارع نے ہوں کر کے سر جھٹک دیا۔ اسی جواب کی توقع تھی اسے۔

''کیا تم جانتے ہو اس کے قاتل کو؟'' ریحان نے کھوجتی ہوئی نگاہوں سے اسکا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

''تم۔ کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ میں یہاں جیل میں بیٹھا ہوتا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ قاتل کون ہے؟''۔ ریحان کو خود اندازہ نہیں ہوا کہ اسنے یہ سوال کیوں پوچھا تھا۔ شاید بات کو جاری رکھنے کے لیے یا شاید اس خاموشی کو ختم کرنے کے لیے جو ہر دو پل بعد انکے درمیان آجاتی تھی۔

''مجھے ماہنور نے چار سال پرانی دسمبر کی اس رات کی داستان مگر ضرور سنائی تھی، الف سے یہ تک''۔ اب کی بار خاموشی کو بڑی تکلیف دہ بات نے توڑا تھا۔ ریحان اسکی بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''اور؟''۔

''کچھ اور بھی تھا؟''۔ ضارع کے ابرو سوالیہ انداز میں اوپر کو اٹھے۔ ریحان نے ایک بار پھر گلے میں لپٹا مفلر ٹھیک کیا، پھر کندھا ساتھ دیوار سے لگایا اور بازو سینے پر لپیٹے۔ اب وہ دائیں جانب سلاخوں سے باہر اور ضارع بائیں جانب سلاخوں کے پار ایک ہی سے انداز میں کھڑے تھے۔

''میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی''۔

''صرف مجھ سے یا ان جنرل؟''۔اسنے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''کیا اس بات سے فرق پڑتا ہے؟''۔ریحان نے انگوٹھے سے انگلی میں پہنی تتلی والی انگوٹھی کو چھیڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

''بالکل پڑتا ہے۔مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی رہے گی کہ جیل سے نکل کر تم سے قطع تعلق کرنا ہے یا نہیں۔''اسکے انداز سے ہی اسکی سنجیدگی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

''اور اگر میں کہوں کہ صرف تم سے ہی نہیں کرنا چاہتی تھی اور ویسے بھی، ہمارے درمیان ویسے بھی کوئی تعلق نہیں ہے''۔

''تو تم یہاں کیا کرنے آئی ہو؟ جن کے درمیان تعلقات نہیں ہوتے وہ سات سمندر پار ''مدد''کرنے نہیں پہنچتے''۔جتاتے ہوئے کہا گیا تھا۔

''میں احسان چکانے آئی تھی''۔اسے اب مزہ آرہا تھا سامنے کھڑے اس آدمی کو الجھانے میں۔

www.novelsclubb.com

''تو آپ ایسا کریں، پاکستان کی اگلی فلائٹ پکڑ کر اپنے احسان سمیت واپس تشریف لے جائیں''۔ریحان نے بمشکل اپنی ہسی روکی تھی۔

''کوئی کہہ سکتا ہے کہ تم ایک قتل کیس میں یہاں ہو!''۔ریحان نے کنپٹی مسلتے ہوئے سرسری سا تبصرہ کیا۔

"تم دو عورتوں نے میری زندگی عذاب کی تھی۔تب بھی اور اب بھی۔اور تم، اگر میں تم سے تمیز سے پیش آرہا ہوں تو اس بات کا یہ ہر گز مطلب نہیں ہے کہ مجھے تم بہت اچھی لگتی ہو یا میں مرا جارہا تھا تمہارے بنا۔تم یہاں نہ بھی آتی تو میں چوبیس گھنٹوں سے پہلے ہی جیل سے رہا ہو جاتا۔تم واپس پاکستان جاسکتی ہو"۔

"میں بھولی نہیں ہوں اس دن والی بے عزتی"۔ضارع کو ایک پل لگا تھا جاننے میں کہ وہ "کس "دن کی بات کر رہی ہے۔

"اچھی بات ہے یاد رکھنی چاہیئے۔چار سال پہلے والی بے عزتی میں بھی نہیں بھولا"۔کمال مہارت سے وہ باتیں واپس اسکے منہ پہ مارتا تھا۔

"پولیس تمہیں بغیر کسی ثبوت کے چوبیس گھنٹوں سے زیادہ حراست میں نہیں رکھ سکتی۔ میں کوشش کروں گی صبح سے پہلے ہی تمہیں رہا کر دیا جائے"۔دیوار سے ٹیک چھوڑ کر وہ سیدھی ہوئی۔اسے دس منٹ ملے تھے اس سے ملاقات کے۔دس منٹ مکمل ہونے والے تھے۔ضارع نے جواب نہیں دیا، یونہی ساکت کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

"تھینکیو"۔وہ واپس مڑ کر راہداری کی جانب بڑھ گئی تھی جب اسکی آواز پہ رکی۔گردن واپس موڑ کر اس نے ضارع کی جانب دیکھا۔

"کس بات کا؟"۔اسکے چہرے پر نرم مسکراہٹ تھی۔

''یہاں آکر اس بات کی یقین دہانی کرنے کا کہ میں نے قتل واقعی تو نہیں کیا''۔اب وہ ٹیک چھوڑ کر سیدھا کھڑا تھا اور دونوں ہاتھ پیٹھ پر بندھے تھے۔

''اوکے''۔کہہ کر وہ مڑ گئی۔نہایت عجیب آدمی تھا۔وہ یہاں اس لیے تو نہیں آئی تھے کہ اسے یقین نہیں تھا ضارع پہ۔ وہ چل کر واپس اس کرسی پہ پہلے والے انداز سے بیٹھ گیا۔

ایک

دو

تین

جار

پانچ

چ-ابھی وہ انگلی پر چھ گننے ہی والا تھا کہ وہ راہداری سے واپس نمودار ہوئی۔

''کیا مطلب تھا تمہارا اس تھینکیو سے؟''۔غصے سے ابرو اکٹھے تھے اور دونوں ہاتھ اسکے پہلو میں گرے تھے۔ضارع کی دل جلانے والی ہسی خاموش کمرے کی دیواروں میں گونجی۔

''تو کیا تم یہاں اس لیے نہیں آئی تھی کہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرو اور پھر فیصلہ کرو کہ میں قاتل ہوں یا نہیں؟اتنی بے اعتباری؟''۔

''ایسا کچھ نہیں ہے''۔ بات جھٹلائی گئی۔ وہ سچ کہہ رہی تھی۔ وہ واقعی اسکے لیے آئی تھی۔

''تمہیں کیا واقعی یقین نہیں کہ میں صرف تمہارے لیے بھی آسکتی ہوں؟''اس نے صرف پر زور دے کر تنگ آجانے والے انداز میں پوچھا تھا۔

''اوکے۔ جیسا تم کہو!''ضارع نے سر دیوار کے ساتھ ٹکا کر آنکھیں موندھ لیں۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں''۔ اسے اب غصہ آنے لگا تھا۔

''کیا میں نے کہا ہے کہ تم جھوٹ کہہ رہی ہو؟''۔ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

''تم اس طرح برتاؤ کیوں کر رہے ہو جیسے یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے؟''۔ ضارع بے اختیار ہسا۔

''معاف کیجئے گا مجھے معلوم نہیں تھا کہ ماہنور میری کزن تھی اور میرے کہنے پر سب کر رہی تھی اور اب میری ہی وجہ سے وفات بھی پا چکی ہیں''۔ اسکے لہجے میں تھا کچھ۔ کچھ چبھتا ہوا۔ آنکھیں کھول کر اس نے جن نظروں سے ریحان کو دیکھا تھا، ریحان کا دل چاہا وہ اس پہ لعنت بھیج کر واپس مڑ جائے۔

''ٹھیک ہے مان لیا سب میری وجہ سے ہوا ہے، مگر ضارع مرتض، یورک میں نہیں تم اس سے ملنے آئے تھے،۔ میں نے تم کو نہیں کہا تھا تفشیشیں کرنے اسکے پیچھے یہاں پہنچ

جاو تو بہتر ہے تم کم از کم اس بات کا الزام مجھ پر مت ڈالو!''شہادت کی انگلی اسکی جانب اُٹھا کر وہ اس سے باز پرس کرنے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔

ضارع خاموشی سے سنتا رہا اور جواب میں کچھ نہیں کہا۔

''اب کچھ کہو گے یا میں جاؤں؟'' اسنے اکتا جانے والے انداز میں کہا تھا۔

''نہ میں نے تمہیں یہاں آنے کی دعوت دی تھی نہ رک جانے کا کہا''۔سلگا دینے والے لہجے میں کہتے ہوئے اسکے ہونٹوں کے کناروں پر دل جلا دینے والی مسکراہٹ تھی۔

ریحان لاجواب ہوئی۔وہ چار سالوں میں واقعی بدل گیا تھا۔اسے گھور کر وہ واپس پلٹ گئی۔

''اچھا سنو!''۔ریحان نے گہرا سانس لیا۔وہ محسوس کر سکتی تھی ضارع کا کرسی سے اُٹھ کھڑے ہونا لیکین وہ واپس نہیں مڑی۔

''اب تم مجھے۔روک رہے ہو!''۔

''جانتا ہوں''۔اسکے لہجے میں کچھ بدلا بدلا سا تھا۔

''کہو''۔ناچاہتے ہوئے بھی وہ پوچھ رہی تھی۔

''اسفندیار کا تم سے کیا تعلق ہے؟''ریحان کے چہرے کا رنگ ایک پل میں اڑا تھا۔اگر اسکے چہرے کا رخ ضارع کی جانب ہوتا تو وہ اسکا فق ہوتا ہوا چہرہ ایک پل میں بھانپ لیتا۔

''کیوں؟''۔وہ ہنوز ویسے ہی کھڑی رہی۔چہرہ واپس مڑنے کی ہمت نہیں تھی اس میں۔ وہ اسکا چہرہ آسانی سے پڑھ لیتا تھا۔

''کیا مجھ سے شادی تم اسکی وجہ سے نہیں کرنا چاہتی تھی؟''اب ریحان یکدم ہی اسکی جانب مڑی تھی۔

''واٹ۔تم اسے کیسے جانتے ہو؟مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا!''۔اسکا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔

''میں نے اتنا مشکل سوال تو نہیں پوچھا۔کیا وہ وجہ تھا اس سب کی؟میں اب تو سچ جاننے کا حق رکھتا ہوں!''۔چبھتا ہوا لہجہ۔طنزیہ مسکراہٹ۔

''ضارع تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے!''۔اسے سمجھ نہیں آیا اسے کیا کہے۔وہ کیا کیا سوچتا رہا تھا اسے اب احساس ہو رہا تھا۔اور،اور وہ اسفندیار کمال کو کیسے جانتا تھا۔اسکی ہتھیلیاں بھیگنے لگی تھیں۔ضارع اسکے چہرے کے اتار چڑھاو با آسانی دیکھ رہا تھا۔ریحان نے نظریں اُٹھا کے اسکی جانب دیکھا۔اور پھر وہ واپس مڑ گئی۔کچھ بھی کہے بغیر۔

اسے ضارع کے غصے سے لوہے کی سلاخوں پہ ٹھوکر مارنے کی آواز سنائی دی تھی۔

بار بار ایک ہی انسان کے ہاتھوں کی جانے والی تذلیل انسان کو تذلیل کرنے والے انسان سے عاجز کر دیتی ہے۔ضارع آج زندگی میں پہلی بار ریحان سے عاجز آیا تھا۔

"تم ساری زندگی یہی کرنا، کبھی میری کسی بات کا جواب مت دینا، حقیقت مت بتانا۔ ساری زندگی بھاگتی رہنا اپنے ہر مسئلے سے!"۔اس نے بھڑک کہ اس قدر اونچی آواز میں کہا تھا کہ ہال کے آخر میں کھڑی ریحان کو اسکی آواز باآسانی سنائی دی تھی۔اسکی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔وہ تیزی سے آگے بڑھ کر وہاں سے باہر نکل آئی۔کسٹڈی افسر کے آفس میں کچھ کاغذات پہ دستخط کر کے وہ سرخ عمارت کی لمبی راہداریوں سے ہوتی ہوئی مین دروازے سے باہر نکل کر زینوں سے نیچے اترنے لگی۔

چاروں جانب اندھیرا پھیل چکا تھا سوائے پولیس سٹیشن کی زرد روشنیوں کے۔

اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لینے کی کوشش کی۔دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔اسے اسفندیار کے بارے میں کہاں سے پتا لگا تھا۔کیا اسفندیار خود ضارع سے ملنے گیا تھا؟اور اگر گیا تھا تو کیا اسنے یہ بیہودہ بکواس ضارع کے دماغ میں ڈالی تھی؟ایک کے بعد ایک سوال اسکے دماغ میں ابھر رہے تھی۔اسنے سر آسمان کی جانب کر کے گہرا سانس لیا اور آنکھیں بند کیں۔

اسکی آنکھوں کے اندھیرے میں منظر بدلا۔

جگہ بدلی۔

اور وقت بدلا۔

ثمر کی کال کاٹ کر وہ واپس اپنے کمرے میں گئی تھی۔ کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر اب اسکی سوچوں کا رخ دوسری طرف مڑ گیا تھا۔

شاہ زر کی طرف۔

اس شاہ زر کی طرف جو وینکوور سے ٹسواسن (tsawwassen) فیری ٹرمنل سے کار ایکسیڈینٹ کے بعد غائب ہوا تھا۔

کمرے کی دیوار پر لگے انٹر کام پر آتی کال سے اسکی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔ انٹر کام کی جانب بڑھ کر اس نے رسیور کان سے لگایا۔

''جی کہیے؟''۔

''سلام باجی۔ جی باہر کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں''۔ فون کے دوسری جانب سے سکیورٹی گارڈ کی آواز گونجی تھی۔ ریحان کی نگاہ بے اختیار وال کلاک پر پڑی۔ رات کے بارہ بجے کونسے صاحب اس سے ملنے چلے آئے تھے۔

www.novelsclubb.com

''نام کیا بتایا ہے ان صاحب نے اپنا؟''

''جی نام تو نہیں بتایا''۔ ریحان کے آبرو ذرا سی حیرت سے اکھٹے ہوئے۔

''ان سے کہہ دو صبح آئیں، یہ کوئی وقت نہیں ہے کسی کے گھر آنے کا''۔ کہہ کر اسنے رسیور واپس رکھ دیا۔ واپس کھڑکی کی جانب بڑھتے ہوئے انٹر کام دوبارہ بجا تھا۔ اسنے اکتا کر ونڈو سل سے فون اُٹھایا اور دوبارہ انٹر کام کی طرف بڑھی۔

''جی کہیے اب کیا ہے؟''۔ اسکی آواز میں زرا سے غصے کی جھلک تھی۔

''ریحان جہانگیر تم گھر سے باہر آو گی یا میں گھر کے اندر آوں؟ آفٹر آل مجھے تمہارے گھر کا نقشہ اچھے سے یاد ہے''۔ اسکی سنسناتی ہوئی ٹھنڈی آواز سن کر ریحان کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔

''تم۔۔ تم گھٹیا انسان۔ تمہاری جرات کیسے ہوئی میرے گھر میں واپس قدم رکھنے کی''۔ اسکے گال غصے کی حدت سے تمتمانے لگے تھے۔ وہ دوسری جانب سے کال بند کر چکا تھا۔ رسیور واپس پٹخ کر وہ تیزی سے کمرے میں سے باہر نکلی تھی۔ سیڑھیاں اتر کر وہ تقریباً بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کے ساتھ رکھی چپل پہن کر اس نے گھر کے دروازے سے شروع ہوتی، اور مین گیٹ تک جاتی ہوئی پتھروں کی روش کو غصے اور پھولی ہوئی سانسوں سے پار کیا تھا۔ مین دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر وہ اسکے سامنے آئی تھی۔

اسفندیار کمال۔ وہ اسکے بالکل سامنے، آنکھوں میں قہر لیے کھڑا تھا۔

''شاہ زر کہاں ہے ریحان جہانگیر؟''اسنے ریحان پر نظر پڑتے ہی قہر آلود آواز میں پوچھا تھا۔

''کیوں، وہ تمہارا بھائی ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے؟''اتنے ہی سکون سے اسنے جواب دیا تھا۔

''بکواس مت کرو۔ وہ کہاں ہے؟اسے اگر کچھ ہوا تو خدا کی قسم میں تمہارا قتل کر کے اسی گھر کی زمین میں گھاڑوں گا''۔ریحان کا دل چاہا تھا وہ اسکا سر پھاڑ دے۔

''اپنی آواز نیچی رکھو۔ تمہارے باپ کی ملازم نہیں ہوں میں جو رات کے اس وقت تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دوں۔اور تم جیسا بزدل انسان کیا قتل کرے گا میرا، پہلے اپنی حقیقت تو قبول کرو تم اسفندیار کمال، پھر بات کرنا''۔

بے انتہا سرد اور دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔وہ ایک پل کو بات کرنا بھول گیا۔ریحان کی آنکھیں اسے بہت سال پہلے چند لمحوں کے لیے ماضی میں لے گئی تھیں۔

''دفع ہو جاو میرے گھر سے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا''۔ریحان کے سرد لہجے نے اسے ماضی کے لمحوں میں سے کھینچ کر حال میں لا پٹکا تھا۔اسکا نفرت بھرا لہجہ اسکی آنکھوں پر بھاری پڑ گیا۔اسکی آنکھیں اسے کسی اپنے کی شدت سے یاد دلاتی تھیں۔

''مجھے مجبور مت کرو ریحان کہ میں کوئی غلط قدم اٹھاوں''۔اس کا انداز باور کروانے والا تھا۔

''کیا کرو گے تم؟میرے گھر میں گھس کر پھر سے مجھ پر گولی چلاو گے؟جیل میں بند کرو گے!جو کرنا ہے کرو مجھے پرواہ نہیں۔مگر پتا ہے تمہارے لیے سب سے بہتر کیا ہے؟وہ ایک پل کو ٹھہری۔ایک قدم اسفندیار کی جانب بڑھایا اور اس کی آنکھوں میں چیلینج کرتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔اسکی آنکھوں کے پراسرا تاثر ایسے تھے کے سامنے کھڑے شخص کے دل کی دھڑکنیں خوف سے تیز ہو گئیں۔ رات کے اندھیرے میں عجیب سا بھاری پن اترنے لگا تھا۔کھلی فضا میں کھڑے ہونے کے باوجود اسفندیار کا دم گھٹنے لگا۔

''تمہارے لیے سب سے بہتر یہ ہے اسفندیار کمال کہ تم خاموش رہو۔تمہاری خاموشی میں ہی تمہارے بھائی کی جان ہے!اسکی آواز اس قدر دھیمی اور سفاک تھی کہ اسفندیار کا دل اسکی مٹھی میں آگیا۔وہ کیا کہہ رہی تھی،یہ اسکی اپنی بیوقوفی کی وجہ سے ہوا تھا۔اسے لگا جیسے کسی نے ڈھیروں ٹھنڈا پانی اسکے اوپر انڈیل دیا ہو۔ریحان کے ہونٹوں کے کنارے اسکے سفید ہوتے رنگ پر تمسخرانہ انداز میں مڑے تھے۔اسفندیار کا چہرہ ہر گزرتے پل کے ساتھ سفید ہوتا جا رہا تھا۔

قد میں چھ فٹ ہونے کے باوجود اسے اپنا وجود کسی ننھی چونٹی جتنا محسوس ہوا تھا۔ ریحان اسکے سامنے کھڑی تھی اور وہ اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

اسے اسفندیار کی غیر ہوتی ہوئی حالت پر ترس نہیں آیا تھا۔ اسفندیار نے نظریں اوپر اُٹھا کر اسکی جانب دیکھا، وہ اپنی گول آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی، اسے ریحان سے خوف آیا تھا۔

"ڈونٹ وری، میں تمہارا قتل نہیں کروں گی! اسکی آنکھوں میں نہ چمک تھی نہ جینے کی رمق۔ اسکی آنکھیں بالکل ساکت اور خاموش تھیں، بالکل ٹھہرے ہوئے پانی کے مانند کسی بھی جذبے سے عاری اور ویران۔

"تم ہو ان سر کٹی لاشوں کے پیچھے؟"۔ اسفندیار کو اپنی آواز کسی کھائی میں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ریحان کی آنکھیں اسی پر ٹکی رہیں۔

"کیوں؟ تمہیں حیرت ہوئی؟"۔ اسے بالکل امید نہیں تھی کہ وہ اقرار کرے گی۔

www.noversclubb.com

"تم نے یہ سب کیوں کیا ریحان؟

"جب ملک کے رکھوالے تم جیسے ہوں تو کسی کو تو قانون اپنے ہاتھ میں لینا پڑتا ہے"۔

"شاہ زر کہاں ہے ریحان؟ اسکا دم بے انتہا گھٹنے لگا تھا۔ سالوں پہلے ہوئی ظلم کی داستان اسے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنا آپ دہراتی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔

''تمہیں اسکی پرواہ کب سے ہونے لگی؟''۔ریحان کی آنکھوں میں اب کچھ ٹوٹتا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔''میرا اس دنیا میں وہ واحد رشتہ ہے،اسے اس سب میں مت گھسیٹو''۔

اسفندیار کی آواز میں بے بسی اتر آئی تھی۔

''کیا واقعی؟کچھ تھا ریحان کی آواز میں،کچھ چبھتا ہوا۔اسنے چند قدم پیچھے کو لیے اور گھر کی جانب جاتی ہوئی روش کی طرف مڑ گئی۔وہ پیچھے کھڑا رہ گیا۔

اسکی نظریں ریحان کی پشت پر ٹکی تھیں جب وہ یک دم رک کر اسکی جانب مڑی۔

''وہ صرف تمہارا نہیں میرا بھی دنیا میں واحد رشتہ ہے!''اسفندیار کمال کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔

اس رات کی سیاہی یورک کے اندھیرے میں بدلیں اور ریحان نے آنکھیں کھول دیں۔

آنکھوں کے کناروں سے آنسو صاف کر کہ وہ سامنے کھڑی گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔

(※═══════════※)

www.novelsclubb.com

ختم شد

اگلی قسط آئندہ ماہ